تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے!

مولانا محمد زین العابدین
مدرس مدرسہ امام ابو یوسف، کراچی

موسمِ سرما کی دوپہر، دور الوداع کہتی خنکی اور دھیرے دھیرے پھیلتی دھوپ میں وہ روشنیوں کا پیامبر ہم سے کوسوں دور چلا گیا اور یہ کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ اتنا جلدی وہ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کو سوگوار چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائیں گے۔ خزاں کا موسم تو ختم ہو چکا تھا.....! مگر یہ کیا ہوا کہ گلشنِ بنوری کا گلِ سرسبد بہاروں کے آغاز میں ہی دیارِ جاودانی میں جا بسا۔ گردونواح کے حالات وواقعات سے بے نیاز انہوں نے یوں آنکھیں موندیں تھیں جیسے ابھی کھولیں گے اور فتویٰ لکھنا شروع کر دیں گے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن بھی عجیب دینی درسگاہ ہے، اللہ نے سب سے زیادہ مقبولیت بھی اسی ادارے کو دی اور سب سے زیادہ قربانیاں بھی اسی کے فرزندان کے حصے میں آئیں۔ مفتی عبدالمجید شہیدؒ کے جنازہ سے پہلے نمازِ عصر کے بعد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کے امام صاحب دعا میں روتے ہوئے فرما رہے تھے کہ یا اللہ! اب تو ہم لاشے اٹھا اٹھا کے تھک گئے ہیں۔ واقعی ابھی دس ماہ پہلے ہی تو مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کا جنازہ پڑھا تھا اور دو سال پہلے ہی تو مولانا ارشاد اللہ عباسیؒ کی شہادت ہوئی تھی اور ابھی مولانا سعید احمد جلال پوریؒ کی شہادت کو تو پورے تین سال بھی نہیں ہوئے اور ابھی تو مولانا انعام اللہؒ، مفتی سعید احمد مردانیؒ، مولانا محمد امین اورکزئیؒ، مولانا عنایت اللہ شاہؒ، مفتی جمیل خانؒ، مفتی شامزئیؒ، حضرت لدھیانویؒ، مولانا محمد بنوریؒ، مفتی عبدالسمیعؒ ومولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہم اللہ ہماری نظروں کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ کیا ہوا کہ اچانک ظالموں نے مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اور مفتی صالح محمد کو شہید کر کے ہماری دنیا اندھیر کر دی۔ ابھی تو پرانے زخم بھرے بھی نہیں تھے! ابھی تک تو پہلوں کی جدائی پر آنسو خشک بھی نہ ہوئے تھے، پھر یہ کیا ہوا کہ دو اور اکابر اسی قطار میں جاتے نظر آئے۔

بہرحال مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اب ہم سے بہت دور جا چکے وہ اسی شجرہ طیبہ کی ایک شاخ تھے کہ جس کی بنیادوں میں حضرت بنوریؒ کا تقویٰ، حضرت مفتی ولی حسنؒ کا تفقہ اور فتویٰ، حضرت ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ کا اصول وضابطہ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی قربانیاں، حضرت لدھیانویؒ وحضرت شامزئیؒ کی

شہادتیں، مولانا جلالپوریؒ ومولانا عباسیؒ کی لہورنگ داستانیں اور مفتی جمیل خانؒ ومولانا عطاء الرحمٰنؒ کے دوررس فیصلے اور نہ جانے کتنے اہل اللہ کی آہِ سحرگاہی اور دعائیں شامل ہیں، تو ظاہر ہے کہ پھر اس کے فرزندان مفتی عبدالمجید دین پوریؒ جیسے نہ ہوں تو کیا ہوں؟

مفتی عبدالمجید دین پوریؒ اس وقت مفتیوں کے امام تھے، وہ علماء کے راہبر تھے، وہ عوام کے راہنما تھے، وہ ایک قابل مدرّس تھے، وہ ایک عمدہ خطیب تھے، وہ ایک جید عالم تھے، وہ اس وقت پورے پاکستان میں پانچویں چھٹے نمبر کے بڑے مفتی تھے۔

آہ.....! امت کا کتنا نقصان ہوا؟! کتنے مدارس بے آسرا ہوئے؟! کتنے علماء کے سر سے سائبان ہٹ گیا؟! آہ او ظالم! تو نے ذرا خیال نہ کیا، اس درویش کے کس فتوے سے تجھے تکلیف پہنچی تھی؟ اس محدّث کی ''قال اللہ وقال الرسول'' کی کس صدا سے تجھے نقصان ہوا تھا؟

مگر شاید تو نے یہ سمجھا ہوگا کہ یہ لوگ مسلسل لاشیں اٹھا اٹھا کر تھک گئے ہوں گے، انکے حوصلے پست ہو گئے ہوں گے، یہ ہمت ہار چکے ہوں گے۔ مگر یہاں ایسا کچھ نظر نہیں آیا۔ مفتی صاحبؒ کے جنازے کے موقع پر قافلۂ بنوری کے حدی خواں مردِ قلندر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر عجب شانِ استغناء کے ساتھ یہ اعلان کر رہے تھے کہ ''ہم پُرامن لوگ ہیں، اس عظیم صدمے کے موقع پر تمام ساتھی سیرتِ نبوی کی روشنی میں صبر سے کام لیں ہم ملکِ عزیز میں قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد برپا نہیں کرنا چاہتے مگر اعداء اسلام سن لیں کہ یہ اللہ کا دین ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے، تم خود مٹ جاؤ گے، مگر یہ دین قیامت تک باقی رہے گا''۔

واہ! مفتی عبدالمجید شہیدؒ کی قسمت کے کیا کہنے! زندہ رہے تو نیک لوگوں کی معیت میں، اکابر کی صحبت میں، مفتیوں کے جھرمٹ میں، نیکی کے کاموں میں پیش پیش اور دوسروں کو نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو شہادت پاکر دین پور کے تاریخی قبرستان میں بزرگوں کے پہلو میں جا آسودہ خاک ہوئے۔

دنیا میں بہت سے اہل علم وفضل تو وہ ہوتے ہیں جنہیں دنیا جانتی ہے، وہ دنیا سے جاتے ہیں تو ایک عالم سوگوار ہوتا ہے، ان کی تعریف وتوصیف اور ان کی خدمات کے اعتراف میں تعزیتی جلسے منعقد ہوتے ہیں، اخبارات ورسائل میں ایک عرصے تک ان کے بارے میں مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جو لوگ انہیں زندگی میں نہیں جانتے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے کارناموں سے واقف ہوجاتے ہیں۔ لیکن علم وادب اور ملی خدمات کے آسمان پر ایسے ستارے بھی ان گنت ہیں جن کی روشنی کی کرنیں سب کے لئے ہوتی ہیں، مگر ان کے نام سے کم لوگ واقف ہوتے ہیں، ایسے لوگ گوشۂ تنہائی میں اپنا کام خاموشی سے کئے جاتے ہیں، ان کی تنہائی اور گمنامی ان کے کام کی لگن، محنت اور

افادیت میں کمی نہیں اضافہ کرتی ہے، نام ونمود سے دور رہ کر ان کی مخلصانہ کاوشیں رہتی دنیا تک لوگوں کو سیراب کرتی ہیں۔ بلاشبہ ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ انہی الفاظ کی آئینہ دار ایک عظیم شخصیت تھے، آپ نے جوانی سے لے کر شہادت تک کی اپنی پوری زندگی نام ونمود سے کوسوں دور رہ کر دینی خدمات میں گزار دی۔ آپ کے نزدیک اگر کسی چیز کی اہمیت تھی تو وہ محنت ولگن سے دینی خدمت اور وقت کو قیمتی بنانا تھا۔ آپ کو ایک ایسے ادارہ کا نائب رئیس دار الافتاء اور استاذ الحدیث مقرر کیا گیا تھا کہ جس کے فرزندان کی خدمات وکارناموں کو اللہ نے پورے عالم میں پھیلایا، لیکن آپ کبھی اس چیز کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپ کا نام اور کاموں کی تفصیلات اخبارات میں شائع ہوں یا یہ کہ آپ کا نام کسی عوامی، مذہبی اجتماعات یا جلسے جلوسوں کے اشتہاروں اور پوسٹروں کی زینت بنے، بلکہ عموماً مدارس کے ذمہ داران بہت کوشش کرتے کہ آپ ان کے جلسے کی صدارت قبول فرمالیں، نہیں تو کم ازکم کچھ دیر کے لئے اسٹیج کی زینت ہی بن جائیں، لیکن آپ کی طبیعت ان چیزوں سے انکاری رہتی۔

اگر حضرت دین پوری شہیدؒ کی ساٹھ سالہ زندگی پر نظر ڈالی جائے تو آپؒ کی پوری زندگی انہی اعلیٰ وارفع صفات کے گرد گھومتی اور مسلسل جہد وعمل سے عبارت نظر آتی ہے۔ آپ ۱۵/جون ۱۹۵۱ء بمطابق ۱۳۷۲ھ کو پنجاب کے ضلع رحیم یار خان کی تحصیل خان پور میں مولانا محمد عظیم بخش دین پوریؒ کے گھر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی ابتدا گھر ہی میں اپنے والد کے زیر سایہ ہوئی، اور پھر جامعہ مخزن العلوم خان پور، ظاہر پیر، طاہر والی سے ہوتے ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن پہنچے اور اس بین الاقوامی دینی درس گاہ میں درجۂ سادسہ میں داخلہ لے کر مسلسل تین سال پڑھا، یہاں تک کہ ۱۹۷۱ء میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے اور اپنے وقت کے اساطینِ علم سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، جن میں محدث العصر حضرت بنوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ حضرت مولانا محمد بدیع الزمانؒ، حضرت مولانا سید مصباح اللہ شاہؒ، اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔ بعد ازاں تخصص فی الفقہ بھی یہیں سے کیا۔ دورانِ تخصص ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی ہدایت پر ان کے درسِ ہدایہ میں شرکت کرنے لگے، نہ معلوم حضرت ٹونکیؒ نے آپ کو کیوں اس بات کی ہدایت کی تھی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی مسند نشینی کی تیاری تھی، اگرچہ اس میں ایک وقت لگا اور حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ کی وفات کے بعد دار الافتاء اور تخصص کی ذمہ داریاں حضرت شامزئیؒ اور حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی مدظلہم ادا کرتے رہے، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد دنیا نے دیکھا کہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے دار الافتاء کے نائب رئیس کے حساس اور اونچے منصب اور تخصص فی الفقہ کے مشرف کے عہدے پر حضرت ٹونکیؒ کے جانشین ہونے کی حیثیت سے جو شخصیت مسند نشین ہوئی، وہ حضرت مفتی عبد المجید دین پوریؒ کی شخصیت تھی، اور وہ جو کئی سال پہلے حضرت ٹونکیؒ کی زیرِ ہدایت ان کے درسِ ہدایہ میں بیٹھنے والا عبد المجید نامی

ایک طالب علم تھا، حقیقت یہ تھی جو بعد میں سامنے آئی کہ وہ ان کا جانشین تھا، اور اُس وقت آپ کی تربیت ہورہی تھی، جس کا نتیجہ اب سامنے آیا۔

غیر معمولی اوصاف:

حضرت مفتی دین پوری شہیدؒ علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر، خوش مزاجی اور نرم خوئی کے خوگر، سادگی، متانت اور نورانیت کے پیکر مجسم، طلباء پر مشفق اور مہربان اور کاروان بنوری کے حدی خواں تھے۔ آپ انتہائی سادہ اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ جیسا آپ کا ظاہر تھا، ویسا ہی آپ کا باطن تھا۔ راقم الحروف کو کئی بار اس چیز کا مشاہدہ ہوا، ایک مرتبہ تقریباً دو سال پہلے میں کچھ کتب ورسائل کی خریداری کے لئے دفتر بینات مولانا فضل حق صاحب کے پاس آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت دین پوریؒ بھی ایک صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے، جن صاحب کو حضرتؒ لے کر آئے تھے، وہ صاحب حضرت دین پوریؒ کے بھی مہمان تھے اور مولانا فضل حق صاحب کے بھی۔ حضرتؒ تو ان کی خاطر تواضع دارالافتاء میں کرآئے تھے، اب مولانا فضل حق صاحب کی باری تھی تو مولانا نے دفتر بینات کے خادم جناب قاری عبدالرؤوف صاحب کو بھیج کر سب کے لئے جوس منگوالیا، اب مولانا فضل حق صاحب چوں کہ میزبان تھے، اس لئے ہر ایک کو ایک ایک گلاس خود اٹھا کر دے رہے تھے، مفتی صاحبؒ نے خود ہی اٹھالیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''مولانا! میں تو اپنا گلاس خود ہی اٹھالیتا ہوں اور آپ کو مشقت سے بچا لیتا ہوں'' یہ سنتے ہی سب مسکرادیئے، بعد میں مولانا فضل حق صاحب فرمانے لگے کہ مفتی صاحبؒ شروع سے ہی ایسے بے تکلف ہیں، کوئی بات دل میں نہیں رکھتے، اس کا اظہار فرمادیتے ہیں۔ یعنی حضرت شہیدؒ کا کوئی مصنوعی بناوٹی انداز نہیں تھا، بلکہ جیسا ظاہر تھا ویسا ہی باطن تھا۔

آپ مزاح بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں دفتر بینات کسی کام سے آیا ہوا تھا تو اچانک حضرت مفتی صاحبؒ بھی تشریف لے آئے اور کھڑے کھڑے ہی مولانا فضل حق صاحب کو فرمایا کہ روافض پر جو متفقہ فتویٰ ہے اس کے پانچ نسخے دے دیں، مولانا نے حسبِ ہدایت خادم جناب قاری عبدالرؤوف صاحب کو بولا، انہوں نے مفتی صاحبؒ کو پانچ نسخے دے دیئے، مفتی صاحبؒ نے قیمت پوچھی تو مولانا فضل حق صاحب نے فرمایا کہ ایک نسخہ ۱۰۰/ روپے کا ہے، یہ سنتے ہی حضرت مفتی صاحبؒ ہنستے ہوئے فرمانے لگے کہ ''روافض کو آپ نے اتنا مہنگا کیا ہوا ہے؟....'' اس بات پر مولانا فضل حق صاحب زور سے ہنسنے لگے، راقم الحروف کو بھی بے اختیار ہنسی آگئی اور مجلس کشتِ زعفران ہوگئی۔

اللہ اکبر! کس کس صفت کے حامل انسان تھے! اب تو صرف ان کی یادیں ہی رہ گئی ہیں۔

دل سے دعاء ہے کہ اللہ رب العزت ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطاء فرمائے۔ آمین